

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رحمتِ حق بہانہ می جوید

مکرم و محترم جناب عزیز من صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ دن قبل آپ کا خط موصول ہوا تھا۔ میں کچھ مصروفیت کی وجہ سے آپ کو فوری جواب نہ دے سکا۔ اسلئے معذرت خواہ ہوں۔ بہر حال آپ کے خط کا شکریہ۔ آپ نے میری دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ فرمایا ہے۔ اس کیلئے بھی آپ کا شکریہ۔ آپ فرماتے ہیں: ”آپ کی دو (۲) عدد کتابیں۔ نیکی خدا ہے اور مصلح موعود۔ کسی دوست نے مجھے بھیجی ہیں۔ میں نے پوری دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے آپ کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ کئی سوالات اٹھتے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا یہ ہے کہ جب بھی کوئی نئی آسمانی صداقت آتی ہے تو علوم تو حید کو زندہ کرنا اور اُن میں جدید اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اگر کوئی کتاب آپ نے اول و آخر، ظاہر و باطن کے متعلق لکھی ہو اور خالص اسلامی فلسفہ کے متعلق کوئی کتاب لکھی ہو۔“

آپ کے اس سوال کا جواب میری کتاب ”نیکی خدا ہے“ میں موجود ہے۔ ابتدا میں یہ مقالہ میں نے میں اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں انگریزی میں لکھا تھا۔ بعد ازاں احباب جماعت کی سہولت کیلئے خاکسار نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ مقالہ یا کتابچہ کچھ فلسفیانہ مزاج کا ہے۔ اسے سمجھنے کیلئے کچھ ذہن پر زور دینا پڑھتا ہے۔ آپ اس مضمون کو کس حد تک سمجھے ہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ دوبارہ اس کتابچے کو بغور و فکر پڑھیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی فلسفیانہ مضمون ایک دفعہ پڑھنے سے ہی سمجھ میں آ جاوے۔ اس کتابچہ میں اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفصیل موجود ہے۔ ثانیاً اس الہی نظریہ کی بنیاد خالصتاً قرآن مجید پر ہے اور قرآنی فلسفہ ہی دراصل اسلامی فلسفہ ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ابن سینا کو ارسطو نے ثانی اور معلم ثانی کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ”عیون الانبار فی طبقات الاطباء“ (قاہرہ ۱۸۸۳ء) میں انکے متعلق اس طرح نقل کیا ہے: ”میں نے ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعہ کو چالیس بار پڑھا، لیکن کچھ سمجھ نہ سکا، جس سے میں مایوس ہو گیا۔ اتفاق سے ایک دن ایک کتاب نیلام ہو رہی تھی۔ ایک دلال نے مجھے اسے خریدنے کو کہا۔ یہ حکیم فارابی کی کتاب تھی، جو مابعد الطبیعیات پر تھی، اور جس کے مسائل حل کرنے سے میں قاصر تھا۔ اس خیال سے کہ یہ کتاب میرے کام کی نہیں ہے میں خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن دلال چونکہ بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ مالک کو پیسے کی ضرورت ہے، لہذا کتاب سستے داموں مل جائے گی۔ میں نے وہ مول لے لی، اور گھر پہنچتے ہی اسکے مطالعے میں مستغرق ہو گیا۔ چنانچہ تمام مابعد الطبیعیاتی مسائل کو، جو میری سمجھ میں نہیں آتے تھے، اب سمجھ گیا۔ اس سے مجھے بے حد مسرت ہوئی، اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا، نیز میں نے مسکینوں کو خیرات بھی دی۔“ (بحوالہ، سرگذشت فلسفہ حصہ دوم، مولف ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، صفحہ ۲۷۲)

محترم حیدر صاحب! یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ فلسفیانہ دقیق موضوعات کو پہلی دفعہ ہی پڑھ کر سمجھ لینا بہت مشکل ہے۔ اگر ابن سینا ایسے ذہین فہیم انسان کا یہ حال تھا تو دوسرے لوگوں کے متعلق ہم یہ کیسے گمان کر سکتے ہیں کہ وہ کسی فلسفیانہ موضوع کو ایک دفعہ ہی پڑھ کر سمجھ جائیں گے۔ ابن سینا کے اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ آغاز میں میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ یونیورسٹی میں دوران مطالعہ سقراط کا مشہور قول ”نیکی علم ہے“ میرے مطالعہ میں آیا تھا۔ مختلف کتب میں اس سقراطی قول کی جو تشریح کی گئی تھی اس سے میرا دل و دماغ مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ سقراط کے اس قول کی یہ تشریح کی گئی تھی کہ ”نیک کام کرنے کیلئے نیک کام کا علم ہونا ضروری ہے“ یعنی (Virtuous action depends upon its knowledge)۔ میں خیال کرتا تھا کہ اتنے بڑے فلسفی کے اس مشہور قول کا اتنا سادہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ ضرور اس قول کا کوئی دوسرا اور گہرا

مطلب ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ علم کی جستجو ”شک“ سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے میرے وجود میں شک پیدا ہوا یا پیدا کیا گیا۔ بعد ازاں اس شک کو دور کرنے کیلئے ”جستجو“ کی خواہش پیدا ہوئی یا پیدا کی گئی۔ دوران مطالعہ میں نے احتمالی نقطہ نظر سے سقراط کے قول کی اسی تفسیر کو ذہن میں رکھا اور دل میں یہ فیصلہ کیا کہ جب کبھی موقع ملا تو اس سقراطی قول کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرونگا۔ ایم اے کرنے کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ میں نے اس نظریہ پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ یہ حالات کیا تھے اس کی تفصیل میری کتاب کے مقدمہ میں موجود ہے۔ دو ہفتے کے غور و فکر کے بعد مجھے احساس ہو گیا کہ سقراط کے اس قول کو عقل سے جاننا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر ایک مبارک سجدہ کی توفیق ملی۔ میں نے اس مبارک سجدہ میں حصول علم سے متعلق حضرت مہدی مسیح موعود کی رٹی ہوئی الہامی دعائیں پڑھنا شروع کر دیں۔ سجدہ میں ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں قبول فرمائی ہیں اور ”نیکی“ اور ”علم“ کے متعلق بہت سارا علم مجھے بخش دیا گیا۔ اگلے دن مجھے الہاماً بتایا گیا کہ ”Virtue is God“، یعنی ”نیکی خدا ہے“۔ اب ایک تسلسل کیساتھ مجھے الہاماً ”نیکی کی ماہیت“ کا علم ملنا شروع ہو گیا اور یہ سارا علم فلسفیانہ تھا۔

یہ عاجز تو کبھی فلسفے کا طالب علم نہیں رہا تھا اور نہ ہی مجھے یہ علم تھا کہ فلسفے کا Subject Matter یعنی موضوع کیا ہے؟ اب میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ میں فلسفہ کے مضمون سے آگاہی حاصل کروں۔ ایک دن میں فلسفے کی کوئی کتاب خریدنے کیلئے انارکلی گیا۔ فلسفے کی کوئی نئی کتاب خریدنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ناچار ایک ایسی دوکان پر گیا جہاں

پرانی (Second hand) کتب خریدی جاسکتی تھیں۔ دوکاندار نے ایک پرانی کتاب میرے سامنے رکھی جس کا عنوان تھا ”A Critical History of Greek Philosophy“، یعنی یونانی فلسفہ کی تنقیدی تاریخ۔ میں نے یہ پرانی کتاب خرید لی اور گھر آ کر اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے میں یہ کتاب پڑھتا گیا ویسے ویسے فلسفہ کی لائبل اور پیچیدہ الجھنیں مجھ پر اٹھتی گئیں۔ کتاب کے خاتمے پر میں نہ صرف یونانی فلسفہ سے واقف ہو چکا تھا بلکہ سقراطی قول ”نیکی علم ہے“ کی حقیقت بھی مجھ پر منکشف ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ سقراطی قول ”نیکی علم ہے“ ایک اخلاقی نظریہ نہیں بلکہ یہ نظریہ علم ہے۔ کیونکہ سقراط نے اشارہ اس میں علم کی ماہیت کو نیکی سے تشبیہ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مجھے الہا بتا دیا تھا کہ ”نیکی خدا ہے“ اب جب تک کسی کو ذات باری تعالیٰ کا کامل عرفان نہیں ہو سکتا تب تک اُسے علم کی ماہیت کا کیسے علم ہو سکتا ہے کیونکہ ”خدا“ اور ”علم“ دونوں ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں؟ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی رحمت میں لپیٹنے کیلئے کوئی بہانا بنانا کرتا ہے۔ جیسا کہ ابن سینا کے معاملہ میں ہوا۔ ابن سینا نے ارسطو کی مابعد الطبیعات (Metaphysics) کو بار بار پڑھا لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بہانے کیساتھ فارابی کی کتاب ”مابعد الطبیعات“ ابن سینا تک پہنچادی جو اس کیلئے ارسطو کی کتاب ’مابعد الطبیعات‘ کو سمجھنے کا ذریعہ بن گئی۔ میرا متذکرہ بالا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے جیسے علم و عرفان سے عاری انسان کے آگے پہلے بہانہ کے طور پر ”نیکی علم ہے“ کا نظریہ رکھا۔ ساتھ ہی ”نیکی“ اور ”علم“ کو جاننے کیلئے میرے اندر رُتپ بھی پیدا فرمادی۔ پھر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ خاکسار اس سقراطی نظریہ پر غور و فکر کرے۔ غور و فکر کے بعد جب میں اس نظریہ کو سمجھ نہ سکا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں دعا کیلئے جوش پیدا کر دیا اور میں ”نیکی علم ہے“ کی حقیقت جاننے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اس سجدہ کے نتیجے میں نہ صرف ”نیکی علم ہے“ کی حقیقت مجھ پر آشکار ہوئی بلکہ ایک عظیم الشان الہی نظریہ ”نیکی خدا ہے“ بھی مجھے الہام ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس الہی نظریہ کا مجھے علم دیا تو اس میں پیشگوئی مصلح موعود کی نشانیاں پوری فرمادیں۔ الحمد للہ

محترم حیدر صاحب! جب یہ کتاب پھر دوبارہ پڑھیں تو الفاظ اور فقرات کے معانی پر نہ صرف غور کرنا بلکہ ان میں ڈوبنے کی کوشش کرنا۔ قاری جب اس کتاب کے پڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ اس مادی دنیا سے اوپر اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بعد ازاں غیر مادی دنیاؤں سے گزر کر بالآخر عرفان باری تعالیٰ کے بحر بیکراں میں ڈوب جاتا ہے۔ یہاں اگر کوئی کمی رہتی ہے تو صرف یہی کہ انسان اس اعلیٰ وارفع ذات کو اپنی مادی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ پھر آہستہ آہستہ نیچے کی طرف اپنی اس مادی دنیا کی طرف آتا ہے اور اُس پر اشیاء کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اُسے پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا کیسے تخلیق ہوئی ہے اور ہمارے اعمال کیسے پیدا ہوئے ہیں؟ ہمیں اور ہمارے اعمال کو تخلیق کرنے والا کون ہے؟ دوسرے باب میں سقراط کے مشہور و معروف نظریہ ”نیکی علم ہے“ کی وضاحت کی گئی ہے۔ آخری باب میں اس ساری منطقی بحث کا قرآن مجید سے اثبات کیا گیا ہے۔ اگر میں نے ”نیکی کی ماہیت“ کو اس خط میں سمجھنا شروع کر دیا تو یہ خط ایک کتابچہ بننا چلا جائے گا۔

ثانیاً۔ یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی کا مجدد ایک ہی رنگ میں اور ایک ہی طرح کی تجدید کرے۔ وجہ یہ کہ ہر صدی کا مجدد مصلح فسادِ مانہ کے مناسب حال آتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے ارشاد فرمایا ہے:-

”یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک زمانہ کیلئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان تو تولوں اور ملکوں اور کمالات کیساتھ آتا ہے جو موجودہ مفساد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہے گا جب تک کہ اسکو منظور ہے کہ آثار رشد اور اصلاح کے دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اسکے شاہد ہیں۔“ (شہادت القرآن تصنیف ۱۹۹۳ء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۴۲)

لیکن ایک بات ضروری ہے کہ ہر زمانہ کا مصلح توحید کے مضمون پر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور روشنی ڈالتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے دل پر جو کلام الہی نازل ہوا تھا وہ توحید کے مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن اس توحید کو سمجھنے کیلئے بھی جب تک اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ فرمائے ہماری مجرد عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے متعلق خود فرماتا ہے کہ یہ کتاب مکنون ہے اور اسکے معانی اور گہرے اسرار پاک دلوں پر کھلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قرآن مجید کی کامل طور پر اسی وقت سمجھ آ سکتی ہے جب یہ ہمارے دلوں پر اسی طرح نازل ہو جیسے کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل پر نازل ہوا تھا۔ لیکن وقت کیساتھ ساتھ فسادِ مانہ کے موافق اللہ تعالیٰ اپنے مطاہر بندوں پر اپنے کلام کی حقیقت کا انکشاف فرماتا رہتا ہے۔

محترم حیدر صاحب! آپ فرماتے ہیں:- ”حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش و وفات کے متعلق، حضرت مسیح موعودؑ کے دلائل سے ہٹ کر کوئی اضافی اور جدید دلائل پر مبنی کوئی کتاب لکھی ہو تو برائے کرم بندہ ناچیز کو بھجوادیں۔“

جہاں تک حضرت مسیح ابن مریم کی پیدائش اور وفات کا معاملہ ہے تو اس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خوب وضاحت فرمادی ہے۔ بہت سارے عیسائیوں کے دین اسلام میں داخل ہونے اور مسلمانوں کا آخضو و تعلق ﷺ کی بعض احادیث کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بدولت حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا معاملہ مسلمانوں پر مشتبہ ہو گیا تھا اور پھر ایک دراز عرصہ

تک مشتبہ رہا۔ تا وقتیکہ چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہو گیا۔ اوائل صدی میں قریباً ۱۲۰ھ تک خود مجدد صدی حضرت مرزا غلام احمد صاحب بھی حیات مسیح ابن مریم کے قائل تھے۔ پھر بعد ازاں مجدد صدی کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً حضرت مسیح ابن مریمؑ کی وفات کی خبر دیدی۔ تب حضرت مرزا صاحب نے اپنی وحی کی روشنی میں از سر نو قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ آپ نے امت کو قرآن مجید سے ثابت کر کے دکھایا کہ حضرت مسیح ابن مریمؑ تو فوت ہو چکے ہیں اور امت میں نازل ہونیوالا مسیح موعود کوئی امتی فرد ہے جو کہ عیسوی رنگ میں رنگین ہو کر آئے گا۔ بعد ازاں الہی حکم کے مطابق آپ نے ۱۸۹۱ء میں اعلان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کے مطابق آنیوالا مسیح موعود میں ہی ہوں۔ اب قرآن مجید سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور وفات کی تفصیل کون بتا سکتا ہے؟ حضرت مرزا غلام احمد صاحب پچھلی صدی میں قرآن مجید کی روشنی میں حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت کر کے بذات خود مسیح موعود کے لقب سے ملقب ہو چکے ہیں۔

محترم حیدر صاحب! حیات و وفات مسیح ابن مریمؑ اور اجرائے نبوت وغیرہ چودھویں صدی کے موضوعات تھے اور چودھویں صدی کا مجددان موضوعات پر اپنی کتب میں کافی تفصیلی روشنی ڈال گیا ہے۔ پندرہویں صدی ہجری کے موضوعات کچھ اور ہیں۔ مثلاً۔ کیا ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی الہامی پیشگوئی کے مطابق آنیوالا کی غلام یا مصلح موعود ظاہر ہو چکا ہے یا کہ نہیں؟ اگر وہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر خلیفہ ثانی کے دعویٰ مصلح موعود کی حقیقت کیا ہے؟ اگر خلیفہ ثانی کا دعویٰ مصلح موعود غلط تھا تو پھر اس وقت جماعت احمدیہ کی کیا صورت حال ہے؟ کیا اب جماعت احمدیہ حضرت مہدی مسیح موعود کے بعد ظاہر ہونے والے زکی غلام مسیح الزماں جو کہ یقیناً پندرہویں صدی کا مصلح اور مجدد موعود ہے کو قبول کرے گی یا کہ نہیں؟ اب اگر جماعت احمدیہ اس موعود زکی غلام کو قبول نہیں کرتی تو جماعت کی اس گمراہی کا کون ذمہ دار ہے؟ اس وقت جماعت احمدیہ میں جاری نظام کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ نظام قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے یا کہ اسکی عین ضد؟ اگر اس وقت نظام احمدیہ قرآنی تعلیم کی ضد ہے تو پھر خلیفہ ثانی کو ایسا غیر قرآنی نظام جاری کرنے کا اختیار کس نے دیا؟ دراصل جماعت کا موجودہ نظام ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ خلیفہ ثانی کو اپنے دعویٰ مصلح موعود کی سچائی پر بھروسہ نہیں تھا۔ اگر انہیں اپنے دعویٰ کی سچائی پر یقین ہوتا تو انہیں افراد جماعت سے اپنا دعویٰ منوانے، اسے پختہ کرنے اور دوام دینے کیلئے کسی جبری نظام کی کیا ضرورت تھی؟ کیا حضرت مہدی مسیح موعود نے بھی افراد جماعت پر ایسا جبری نظام لاگو کیا تھا؟ اگر نہیں تو اسکی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کو اپنے دعاوی پر کامل یقین تھا کہ وہی آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق مہدی مسیح موعود ہیں۔ اب آپ کے بعد کسی مہدی اور مسیح نے نہیں آنا۔ لیکن خلیفہ ثانی نے اپنے دعویٰ کی سچائی کیلئے قسمیں ضرور کھائی ہیں لیکن اسکے باوجود انہیں اپنے دعویٰ پر بھروسہ نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ آئندہ زمانے میں کوئی بطور غلام مسیح الزماں ضرور آئے گا اور اس کی راہ روکنے کیلئے خلیفہ ثانی کو ایک جبری نظام کی ضرورت پڑی۔ اس وقت جماعت احمدیہ میں جاری خلافت کیا راسخہ ہے یا کہ خاندانی ملوکیت اور بادشاہت؟ کیا خلفائے احمدیت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ افراد جماعت سے آزادی ضمیر کا حق سلب کر لیں حالانکہ ایسا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو بھی نہیں دیا تھا؟

محترم حیدر صاحب! موجودہ پندرہویں صدی کے یہی موضوعات ہیں اور ان سوالات کے جوابات آپ میری ویب سائٹ www.alghulam.com پر پڑھ سکتے ہیں۔ اگر انکے علاوہ آپ کے پاس کوئی سوال ہو تو وہ مجھے لکھیں۔ خاکسار انشاء اللہ تعالیٰ اسکے آپ کو ضرور جواب دے گا۔ یہ درست ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر انسان کے لیے ہدایت پانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ اور ہر دور میں اسی طرح آتی ہے کہ وہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کو یا جسے وہ برگزیدہ کرنا چاہے کے ذریعہ ہدایت اور گمراہی اور سچ اور جھوٹ میں فرق کر کے دکھلا دیتا ہے۔ اور پھر اپنے بندوں پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ جس راستہ کو چاہیں اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں جبر نہیں کرتا اور آج تک کی مذہبی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بندگان خدا کی اکثریت نے ہمیشہ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا۔ اس وقت میں اس بحث کو چھوڑتا ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ دراصل ہدایت اور سچائی بہت تلخ ہوتی ہے۔ لہذا لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں آپکی راہنمائی فرمائے۔ اپنے لیے بھی دعا کرنا اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ حضرت مہدی مسیح موعود نے اپنے ملفوظات میں ایک بہت ہی خوبصورت نصیحت فرمائی ہے۔ آپ کے افادہ کیلئے یہاں درج کرتا ہوں۔ حضورؐ فرماتے ہیں:-

”اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا اور تمام پہلوؤں پر توجہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سنتا۔ اس وقت تک پرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے جب آدمی کسی نئی بات کو سنے تو اسے یہ نہیں چاہیے کہ سنتے ہی اسکی مخالفت کیلئے تیار ہو جاوے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اس کے سارے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے خوف کو مدنظر رکھ کر تنہائی میں اس پر سوچے۔“ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۱۲)

والسلام۔ خاکسار

عبدالغفار جنبہ

۱۵۔ اپریل ۲۰۰۷ء